علّامہ ابن تیمیہؒ کا تفسیری ورثہ

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

اہلِ علم میں علامہ ابن تیمیہؒ کی شہرت بجا طور سے جامع کمالات کی حیثیت سے ہے، لیکن ان کے سوانح نگاروں نے زیادہ اہمیت فتاوی، فقہ و حدیث، ردِ منطق و علم کلام اور عقائد سے متعلق علاّ کے کارناموں کو دی ہے۔ عام طور سے علم تفسیر سے متعلق ان کی خدمات کا صرف مختصر یا سرسری تذکرہ کیا ہے، حالانکہ اس فن میں ان کے مقام اور خدمات کی اہمیت کا اندازہ ان رایوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو ان کے شاگردوں، قریب سے جاننے والوں اور ماہرین فن نے ان کے بارے میں ظاہر کی ہیں[1]۔ پیش نظر مضمون میں اردو داں طبقہ کو علم تفسیر سے متعلق علامہ کی کاوشوں سے متعارف کرانا مقصود ہے، نیز طلباء علوم القرآن کو اس تفسیری ذخیرہ کی طرف توجہ دلانا ہے جس میں ان کے اطمینانِ قلب و نظر کا کافی سامان موجود ہے۔

ابن تیمیہؒ کا تفسیری کارنامہ

یہ بات قطعی ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے رائج طریقہ کے انداز پر قرآن پاک کی مکمل تفسیر نہیں لکھی اور نہ وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اپنے ایک شاگرد ابن رشیق کی اس طرح کی درخواست کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ "قرآن کا کچھ حصہ فی نفسہٖ واضح ہے کچھ کی مفسرین نے ایک سے زائد کتابوں میں شرح کردی ہے لیکن بعض آیات ایسی ہیں جن کی تفسیر علماء کی ایک بڑی جماعت پر مشکل ہو گئی ہے۔ ان کی گرہ کشائی کے لیے ایک شخص بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کرتا ہے پھر بھی گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مصنف نے ایک آیت

کی تفسیر لکھ دی ہے اسی تفسیر کے مماثل دوسری آیت کی تفسیر بھی ہونی چاہیے۔ میں نے دلیل کی روشنی میں انھیں آیات کی تفسیر کا قصد کیا ہے کیونکہ جب ایک آیت کے معنی ظاہر ہو گئے تو اس طرح کی دوسری آیات کے معنی بھی واضح ہو جائیں گے"۔[۲۵]

ابن رشیق کے بارے میں ابن تیمیہؒ کے ایک اور شاگرد ابن عبد الہادی کا کہنا ہے کہ "یہ ہمارے استاد کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور ان کی تحریروں کے لکھنے اور جمع کرنے میں سب سے آگے تھے"[۲۶] اس لحاظ سے ابن رشیق کا مذکورہ بالا بیان علامہ ابن تیمیہؒ کے مکمل تفسیر نہ لکھنے کے بارے میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے ان مصنفین کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے جنھوں نے ابن تیمیہؒ کے مکمل تفسیر لکھنے یا ان کی تفسیروں کے تیس یا چالیس جلدوں میں پائے جانے کی بات کہی ہے۔[۲۷]

علامہ کے کئی شاگردوں نے علامہ کی ان کتابوں کی جو انھیں معلوم ہو سکیں فہرستیں تیار کی ہیں۔ ان میں سب سے طویل فہرست علامہ ابن تیمیہؒ کے قریب ترین شاگرد ابن القیمؒ کی تیار کردہ ہے۔ اس میں تفسیر سے متعلق چھوٹے بڑے ۹۲ رسائل و کتب کا ذکر ہے۔ ان میں سے مکمل سورتوں کی تعداد ۱۲ ہے باقی متفرق آیات کی تفسیر و تشریح یا قرآن کے بعض پہلوؤں پر رسالے ہیں[۲۸] اس میں سورۃ النور اور سورۃ اللیل کی تفسیروں کا ذکر نہیں ہے۔ علامہ کے مطبوعہ اجزاء تفاسیر میں سورۃ النور اور سورۃ الاخلاص بہت پہلے سے شائع و متداول ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں دار القیمہ بھیونڈی سے مشہور سلفی عالم مولانا عبد الصمد شرف الدین نے "مجموعہ تفسیر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ" کے نام سے قرآن کی چھ سورتوں۔ الاعلیٰ، الشمس، اللیل، العلق، البینہ، الکافرون کی تفسیر اپنے حواشی و تعلیقات، اشاریے اور انگریزی میں ایک وقیع مقدمہ کے ساتھ اس کے شایانِ شان معیار پر شائع کی۔[۲۹] ابن تیمیہؒ کی تفاسیر کے یہ اجزاء انھیں قاہرہ کے دار الکتب المصریہ میں موجود ابن عروہ حنبلی متوفی ۸۳۷ھ کی کتاب الکواکب الدراری کے مخطوطہ میں ملے۔ اس مجموعہ کے بارے میں علامۃ الشام محمد بہجۃ البیطار مرحوم لکھتے ہیں:۔

"ابن تیمیہ کی چھ سورتوں کی تفسیر پر مشتمل یہ مجموعہ محض ایک تفسیر ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں یہ قرآن کی بعض (کئی اہم) سورتوں کی تفسیر ہے اور ان متکلمین سے مناظرہ ہے جو آیات صفات کی تاویل کرتے ہیں، اور ان کے شرعی و لغوی معانی کو معطل قرار دیتے ہیں۔ مثلاً فرقہ جہمیہ، معتزلہ و قدریہ۔ اس میں صحیح منقول اور صریح معقول کے درمیان بہترین

طور پر مطابقت پیش کی گئی ہے"۔[۸]

سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض سے ۳۵ جلدوں میں ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ اور دو جلدوں میں ان کی فہرست یا اشاریے سن ۱۳۸۱ تا ۱۳۸۶ ہجری میں شیخ عبدالرحمٰن بن محمد حنبلی نے شائع کیے ہیں۔ ان کی چھ جلدیں ۱۲ تا ۱۷۔ تفسیر اور علوم قرآن سے متعلق ہیں۔ ان میں ابن تیمیہؒ کی تفاسیر کے دستیاب اجزاء، قرآن اور قرآنی آیات سے متعلق سوالات پر ابن تیمیہؒ کے جوابات، مقدمہ اصول تفسیر وغیرہ شامل ہیں۔[۸]

اقبال احمد اعظمی نے "تفسیرات ابن تیمیہؒ" کے عنوان سے ایک کتاب ۱۹۷۱ء میں علمی پریس مالیگاؤں سے شائع کی ہے۔ بدقسمتی سے مجھے اس سے استفادہ کا موقع نہیں مل سکا اس لیے اس کے محتویات کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

دقائق التفسیر کے نام سے محمد السید الجلیند نے ابن تیمیہؒ کے تفسیری ورثہ کو عام تفاسیر کے انداز پر مرتب کیا ہے۔[۹] یہ کتاب دوسری بار ۱۹۸۴ میں چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کا پہلا اڈیشن چار حصوں میں صرف سورہ مجادلہ تک ۱۹۷۸ میں شائع ہوا تھا۔ طبع ثانی میں مرتب نے اسے تفسیر معوذتین تک پہنچا دیا ہے۔ اگرچہ یہ قابل تحسین کوشش ہے مگر اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود راقم کی نظر میں یہ مجموعہ غیر تشفی بخش ہے۔ اس پر مزید اظہار خیال مضمون کے آخر میں ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے جو مختلف آیات و سور کی مستقل تفسیریں لکھی ہیں ان کے علاوہ ان کی اکثر کتابوں میں بعض دوسرے مباحث کے تحت بہت سی آیات کی ضمناً تفسیر و تشریح آگئی ہے۔ خاص طور سے درج ذیل کتابوں میں وافر تفسیری ذخیرہ موجود ہے۔

۱۔ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح

۲۔ الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان

۳۔ کتاب درأ تعارض العقل والنقل

۴۔ الفتاوی الکبریٰ۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا طریقۂ تفسیر

تفسیر قرآن کے سلسلے میں علامہ ابن تیمیہؒ نے جو طریقہ اپنایا ہے وہ صحیح معنوں میں سلف صالح کا

طریقہ رہا ہے اور اس قابل ہے کہ ہر سلیم الفہم اسے اختیار کرے۔ فہم قرآن کے لیے سب سے پہلے وہ خود قرآن سے مدد لیتے ہیں، پھر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس کے بعد تابعین کے متفقہ اقوال کو درجہ دیتے ہیں۔ اختلاف کی شکل میں قرآن و حدیث کی روح و منشا اور عربی زبان کے استعمال اور صحابہ کے اقوال سے اقرب قول کو لیتے ہیں[۱]۔ اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ قرآن کی تفسیر قرآن سے۔ ابن تیمیہؒ کے نزدیک تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ خود پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جائے۔ "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" کیونکہ قرآن میں عموماً اگر ایک چیز ایک جگہ مختصر یا مجمل آئی ہے تو دوسری جگہ اسے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود: ۱) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی

۲۔ فہم قرآن کی دوسری کلید احادیث ہیں کیونکہ یہ چیز منصب رسالت میں شامل تھی کہ آپؐ قرآن کی صحیح تشریح و تعبیر لوگوں کو بتادیں۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (نحل: ۴۴) اور ہم نے تم پر بھی یاددہانی اتاری تاکہ تم لوگوں پر اس چیز کو اچھی طرح واضح کر دو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے اور تاکہ وہ غور کریں۔

۳۔ کسی آیت کی وضاحت قرآن و حدیث میں نہیں مل رہی ہے تو صحابہ کرامؓ کے آثار کی طرف توجہ کرنی چاہیے، اس لیے کہ ان کے سامنے اور ان کے ماحول میں قرآن نازل ہوا۔ وہ قرآن و سنت کے سب سے بڑے رمز شناس تھے، اور براہ راست درس گاہ رسالت سے فیض یافتہ بھی۔

۴۔ آخری مرتبہ تابعین کے اقوال کا آتا ہے جو صرف ایک واسطہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب تھے، اور جن کی ایک خاصی تعداد نے جن میں حضرات عکرمہؒ، مجاہدؒ، عطا بن رباحؒ، حسن بصریؒ وغیرہم شامل ہیں مفسرین صحابہ مثلاً حضرات ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ وغیرہما سے ایک ایک آیت سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔ ان کے متفقہ اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، البتہ مختلف فیہ اقوال کے سلسلے میں قولِ اصوب کی تعیین میں قرآن و حدیث کے انداز زبان و بیان، عربوں کے عام استعمال لغت اور صحابہ کے اقوال کا سہارا لیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تابعین کے

بعد فہم قرآن کا دروازہ بند نہیں ہوگا بلکہ ان کے اقوال کے مختلف ہونے (اسی میں ان کا کوئی قول نہ پایا جانا بھی شامل ہے) کی صورت میں قرآن وحدیث کی زبان، اس کی روح ومنشا، تفسیر طلب الفاظ اور جملوں کا عربوں کے یہاں استعمال اور صحابہ کے اقوال کی روشنی میں کسی آیت کی تفسیر کی جائے گی۔ ان چار اصول سے ہٹ کر من مانی تفسیر کو جسے اصطلاحاً "تفسیر بالرای" سے موسوم کیا جاتا ہے وہ حرام قرار دیتے ہیں[11]

تفسیر بالرای کی حرمت

علامہ ابن تیمیہؒ نے تفسیر بالرای کی حرمت کے سلسلے میں بہت سے دلائل دیے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:[12]

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کے بارے میں کوئی بات بغیر علم کے کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ کو بنالے۔ اسی طرح حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن کی بابت کوئی بات (محض) اپنی رائے سے کہی جو (اتفاقاً) صحیح نکلی اس نے بھی غلطی کی۔ اس کی تشریح میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ "جس نے قرآن کے سلسلے میں اپنی رائے سے (بغیر کسی بنیاد کے) کوئی بات کہی اس نے ایسی بات کہنے کی جرأت کی جس کا اسے علم نہیں ہے اور ایسی راہ پر چلا جس کا اسے حکم نہیں ہے۔ ایسے شخص نے واقعۃً صحیح معنی کو پالیا پھر بھی غلط اقدام کیا کیونکہ کام کا جو صحیح طریقہ ہے اسے اس نے نہیں اپنایا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جاہل لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے بیٹھ جائے۔ ایسا شخص جہنم رسید ہوگا، اگرچہ اتفاقاً اس کا فیصلہ صحیح ہوگیا ہو۔ البتہ ایسے شخص کا جرم اس شخص سے ہلکا ہوگا جس کا فیصلہ بھی غلط ہو۔ واللہ اعلم"[13] ابومعمر سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "کون سی سرزمین مجھے سہار سکتی ہے اور کس آسمان کے زیرِ سایہ مجھے پناہ مل سکتی ہے اگر میں کتاب اللہ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں ہے"۔ حضرت مسروقؒ نے فرمایا کہ تفسیر کے معاملہ میں ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے متعلق روایت ہے۔

مذکورہ بالا اقوال کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کی تفسیر میں صرف منقولات پر اعتماد کیا جائے اور اس میں تدبر وتفکر نہ کیا جائے، یا یہ کہ تدبر وتفکر کے نتیجہ میں ہونے والی گرہ کشائی اور دوسرے

ذرائع علم سے ہونے والی وضاحتوں سے پرہیز کیا جائے ۔ ابن تیمیہؒ کے ذکر کردہ آثار و اقوال میں سے (چند ایک کو چھوڑ کر جو ذاتی شدت احتیاط پر مبنی ہیں) اکثر میں صاف ممانعت صرف بغیر علم تفسیر کرنے کی آئی ہے[۵۵]، ورنہ علم و تفقہ کی بنیاد پر قرآن کی تفسیریں شروع سے ہوتی چلی آئی ہیں ۔ جیسا کہ ہم نے ابن تیمیہؒ کے طریقہ تفسیر کے تحت ذکر کیا ہے وہ اس تفسیر کو تفسیر بالرای سمجھتے ہیں جو خود قرآن کی اپنی تفسیر، احادیث کی وضاحتوں، اقوال صحابہ و تابعین اور زبان و بیان کے قواعد و ضوابط سے آزاد ہو کر کی جائے ۔ وہ اس طرح کی تفسیر سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں، رہی وہ تفسیر جو کسی علمی اساس پر مبنی ہو وہ تو عین واجب و مطلوب ہے کیونکہ "جس طرح یہ واجب ہے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس پر سکوت اختیار کیا جائے اسی طرح اس چیز کا بیان کرنا بھی واجب ہے جس کا آدمی کو علم ہو اور اس سے دریافت کیا جائے ۔ حدیث شریف میں ہے جس سے کسی علم کے بارے میں پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپایا ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی"[۵۶]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن تیمیہؒ اور دوسرے علماء نے تفسیر بالرای کے فتنہ سے لوگوں کو خاص طور سے اس لیے آگاہ کرنا چاہا کہ اس عہد میں بعض باطل فرقوں کی طرف سے قرآن کی ایسی من مانی تفسیر شروع ہو گئی تھی جس کی کہیں سے کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی تھی[۵۷]۔ تفسیر بالرای کا فتنہ ہر دور میں سر اٹھاتا رہا ہے اور ہمیشہ سے امت میں افتراق کا ایک بہت بڑا سبب رہا ہے ۔

اسرائیلیات سے متعلق علامہ کا موقف

اسرائیلیات سے مراد وہ تمام روایات و خرافات ہیں جو یہود و نصاریٰ کے ذریعہ مسلمانوں میں داخل ہو گئیں ۔ جن کے اہم اسباب یہ ہیں یہود و نصاریٰ کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ان کی باتوں کا مسلمانوں کے یہاں ایک خاص وزن تھا چنانچہ بعض راویوں نے قرآن کی جن مجمل باتوں کی تفسیر یا تفصیل اہلِ کتاب سے ملی اسے روایت کر دیا ۔ ایک حدیث میں رسول اللہؐ نے بنی اسرائیل سے روایت کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی ۔ اس کے علاوہ بہت سے اہلِ کتاب مسلمان ہوئے ان کے ذریعہ بہت سی اسرائیلی روایات داخل ہو گئیں ۔ نیز بہت سی اسرائیلیات بطور استشہاد قبول کی گئیں ۔

اسرائیلیات کے سلسلہ میں علما تفسیر کے رویہ میں اختلاف رہا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف اس سلسلہ میں کافی متوازن ہے۔ انھوں نے اس طرح کی روایات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔

ایک وہ روایات ہیں جن کی تصدیق قرآن وحدیث سے ہوتی ہے ان کی صحت وقبولیت میں کوئی کلام نہیں
دوسرے وہ روایات جن کے بر سر غلط ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔
تیسری قسم کی وہ روایات ہیں جو پہلے یا دوسرے گروہ میں نہیں آتیں یعنی جن کی تصدیق یا تکذیب قرآن وحدیث سے نہیں ہوسکتی ہم بھی ایسی روایات کی نہ تو تصدیق کریں گے نہ تکذیب۔ ان کی روایت گرچہ جائز ہے لیکن اس طرح کی اکثر روایات ایسی ہیں جن کے ذکر سے کوئی دینی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ عام طور سے یہ اہم چیزوں سے توجہ ہٹانے کا سبب بنتی ہیں[۲۱]۔

متقدمین کی تفاسیر کا جائزہ

ایک سوال کے جواب میں کہ زمخشری، قرطبی، بغوی اور دوسری تفسیروں میں سے کون سی کتاب وسنت سے زیادہ قریب ہے ابن تیمیہؒ نے متقدمین کی بعض تفسیروں سے متعلق جو رائے دی ہے وہ ایک طرح سے مختصر لیکن نہایت مفید جائزہ ہے اور متقدمین کی تفسیروں سے استفادہ کرنے والوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ علامہ کا جواب درج ذیل ہے :-

"ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے، جو تفاسیر متداول ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح محمد ابن جریر طبریؒ کی تفسیر ہے۔ وہ پختہ سندوں سے سلف کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں وہ بدعت سے پاک ہے اور مجروح راویوں مثلاً مقاتل بن بکیر اور الکلبی وغیرہ سے کوئی چیز نقل نہیں کرتے۔

ایسی بہت سی تفسیریں ہیں جن میں روایات بغیر سند کے ہیں مثال کے طور پر عبد الرزاق، عبد بن حمید، وکیع، ابن قتیبہ، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کی تفسیریں۔

رہیں وہ تفسیریں جن کا نام لے کر سائل نے دریافت کیا ہے تو ان میں سے بغوی کی تفسیر بدعات اور ضعیف روایتوں سے سب سے زیادہ پاک ہے۔ لیکن (اصلاً) وہ ثعلبی کی تفسیر کا اختصار ہے جس سے انھوں نے موضوع احادیث کو حذف کر دیا اور بدعات اور دوسری بہت سی چیزوں کو نکال دیا ہے۔

جہاں تک واحدی کا تعلق ہے تو وہ ثعلبی کے شاگرد ہیں لیکن عربی دانی میں ان سے بڑھ کر ہیں ثعلبی خود بدعات سے محفوظ ہیں مگر دوسروں کی تقلید میں کچھ ذکر کر دیتے ہیں۔ ان کی تفسیر اور واحدی کی تفسیر البسیط، الوسیط اور الوجیز میں بڑے کام کی چیزیں ہیں لیکن ان میں باطل روایات کا انبوہ بھی ہے

زمخشری کی تفسیر خلاف سنت نوایجاد چیزوں سے پُر ہے۔ نیز معتزلہ کے اصولوں کے مطابق اس میں صفات اور رویت باری کا انکار، قرآن کا مخلوق ہونا اور اللہ تعالیٰ کا کائنات سے بے پرواہ اور بندوں کے افعال کا خالق نہ ہونا جیسے خیالات پائے جاتے ہیں

قرطبی کی تفسیر اس سے کہیں بہتر ہے۔ یہ اہلِ قرآن و سنت کے طریقہ پر اور بدعات سے بہت دور ہے۔ یوں ان ساری تفاسیر میں قابل تنقید چیزیں بھی ہیں، لیکن خوب و ناخوب کے فیصلہ میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

ابن عطیہ کی تفسیر بھی زمخشری کی تفسیر سے اچھی ہے اور روایت و بحث میں اس سے بہتر، نیز بدعات سے دور ہے گو کہ چند ایک اس میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن زمخشری سے بہت ہی اچھی ہے، بلکہ ان تمام تفاسیر میں یہ سب سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔ تاہم ابن جریر کی تفسیر ان تمام تفسیروں میں صحیح ترین ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی (قابلِ ذکر) تفسیریں ہیں مثلاً ابن الجوزی اور الماوردی کی تفسیریں۔"[۴۱]

قرآن کے معجزانہ پہلو

قرآن کریم عربوں میں نازل ہوا جنھیں اپنی زبان پر اس قدر ناز تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو عجم (گونگے) کہتے تھے، شعر و شاعری کے سالانہ مقابلے ہوا کرتے تھے اور سال کے سب سے بہتر شاعر کی تخلیق کو در کعبہ پر آویزاں کیا جاتا تھا، قرآن کریم نے فصاحت و بلاغت اور زبان و بیان کا وہ الٰہی معیار پیش کیا جس کے آگے ان کی شعری تخلیقات بازیچہ اطفال نظر آنے لگیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے چوٹی کے شعراء نے قرآن سن کر شاعری ہی ترک کر دی۔

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قرآن اس لحاظ سے معجزہ ہے کہ اتنا فصیح و بلیغ کلام اور اس طرز بیان کا نمونہ پیش کرنا انسان کے بس سے باہر ہے اور قرآن کے بار بار للکارنے

کے باوجود وہ اس سے قاصر رہے، جو ایک آدھ کوششیں سامنے آئیں ان کی حیثیت مسخرہ پن کے سوا کچھ بھی نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہے اور اس کا بدل نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے عرب اور عربی دانوں کے لیے معجزہ ہے۔ لیکن قرآن کا اعجاز صرف اسی ایک پہلو تک محدود نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے قرآن کے مختلف معجزانہ پہلوؤں کی طرف اشارے کیے ہیں، جن میں سے ہر ایک کو اگر تفصیل سے لکھا جائے تو اس پر مستقل کتاب بن سکتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے مطابق معجزات کے لیے معجزات کا لفظ قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے، بلکہ اس کی جگہ قرآن نے آیۃ، بینہ، اور برہان کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے معجزات کے لیے یہ الفاظ مناسب ترین ہیں کیونکہ اللہ کی یہ نشانیاں اس کے رسولوں کی صداقت وحقانیت کی نشانی، ثبوت اور دلیل ہوتی ہیں۔ علامہ نے مختلف آیات سے اس سلسلہ میں استشہاد کیا ہے۔[19]

قرآن کریم کے اعجازی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ "قرآن کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے روشن نشانیوں میں سے ہے جو آپؐ کی شریعت کی طرح قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔"[20] قرآن مختلف وجوہ سے معجزہ ہے مثلاً الفاظ کا استعمال، نظم کلام، فصاحت وبلاغت، وہ معانی واحکام جن کا اس نے حکم دیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اسماء وصفات وغیرہ کا ذکر، اخبار غیب جو گزشتہ و آئندہ کے بارے میں اس نے بتلائیں، حیات اخروی کی خبریں اور اس پر یقینی وعقلی دلائل کا انبار، غرضیکہ لوگوں نے جو بھی وجہ اعجاز بیان کیا ہے اس لحاظ سے وہ معجزہ ہے، اس میں کوئی تضاد نہیں ہے حقیقت میں ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک اعجازی پہلو پر متنبہ ہوا۔[21]

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے معانی ومطالب کے اعتبار سے قرآن کا اعجازی پہلو اس کے زبان وبیان کے معجزہ سے کہیں بڑھ کر ہے، نوع انسانی کے سارے دانش ور اس طرح کے معانی پر مشتمل کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں۔[22] یہاں یہ بات قابل ذکر معلوم ہوتی ہے کہ مدرسۃ الاصلاح کے سابق شیخ التفسیر مرحوم مولانا داؤد اکبر اصلاحی نے قرآن کے معنوی اعجاز پر پورا ایک رسالہ سپرد قلم کیا ہے، جس میں مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کا اصل معجزہ اس کے مضامین ہیں جو اس کے عالمی وابدی

ہدایت نامہ ہونے کا تقاضا ہے۔[۲۳]

کچھ دیگر اہم مضامین

علامہ ابن تیمیہؒ کے یہاں قرآنیات سے متعلق کچھ اور اہم تحریریں اور نکتے بھی پائے جاتے ہیں خاتمہ کلام سے قبل ان میں سے چند کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مجموع فتاوی ابن تیمیہ جلد ۴ کے چھ صفحات پر علامہ نے یہود اور بعض مسلمان مورخین کے اس دعوے کی تردید کی ہے کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں آپ نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اصل ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔[۲۴] متاخرین میں امام حمید الدین فراہیؒ نے اس موضوع پر پورا ایک رسالہ سپرد قلم کیا ہے اور موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔[۲۵] دونوں میں موازنہ اور یہ کہ مولانا فراہیؒ علامہ ابن تیمیہؒ کی رایوں سے کہاں تک آگاہ و متاثر تھے جانچنے کے لیے ایک الگ مضمون کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اقسام القرآن پر بھی علامہ ابن تیمیہ نے بڑی قیمتی بحث کی ہے۔[۲۶] علامہ کے شاگرد ابن القیم کی اس پر ایک مکمل کتاب ہے۔[۲۷] اپنی ایک کتاب میں امام بخاری نے بھی اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔[۲۸]

مجموع فتاویٰ میں ہم کو "قرآن کے سات حروف میں نازل ہونے کا مطلب" "محکم و منسوخ کی قسمیں" "معنی و تاویل میں فرق"، "ترجمۂ قرآن"، "ترتیب سور"، مختلف سورتوں کے تجزیے، نظم اور مرکزی مضامین وغیرہ جیسے اور بہت سے موضوعات ملتے ہیں[۲۹] جن پر گفتگو اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں۔

تحقیق اور تالیف و ترتیب کی ضرورت

علامہ ابن تیمیہؒ کے تفسیری ورثہ سے متعلق دو چیزوں کی ضرورت راقم السطور شدت سے محسوس کرتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کو ریسرچ اور تحقیق کا موضوع بنا کر ان کی تحریروں کا علمی و تنقیدی جائزہ لیا جائے کہ کہاں تک علامہ نے اپنی تحریروں میں طبعی و تخلیقی مواد پیش کیا ہے اور کہاں تک متقدمین کی کاوشوں سے فائدہ اٹھایا ہے، کیونکہ علامہ نے خود تحریر کیا ہے کہ کبھی کبھی ایک آیت کی تفسیر سمجھنے کے لیے انھوں نے سیکڑوں تفاسیر کی ورق گردانی کی ہے اور جب کسی طرح گرہ کشائی نہیں ہوئی تو کسی

دور افتادہ مسجد میں پہنچ کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوکر "یا معلم آدم وابراہیم علمنی' ویا معلم ابراہیم فہمنی" کا ورد کیا ہے۔[۳۰]

عربی میں "ابن تیمیہ وجہودہ فی التفسیر" کے عنوان سے ابراہیم خلیل برکۃ نے ایک رسالہ تحریر کیا ہے لیکن دو سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اصل موضوع پر مشکل سے ساٹھ صفحے صرف کیے گئے ہیں۔[۳۱] علم تفسیر سے متعلق علامہ ابن تیمیہؒ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے مذکورہ کتاب نہایت تشنہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو باقاعدہ تحقیق کا موضوع بنایا جائے۔

دوسری چیز جس کو راقم شدت سے محسوس کرتا ہے وہ یہ کہ علامہ ابن تیمیہؒ کی ساری تحریروں کا جائزہ لے کر قرآنی ترتیب سے ان کی تفسیر مرتب کی جائے۔ اس مضمون کے شروع میں "دقائق التفسیر" کے عنوان سے اس طرح کی ایک کوشش کا ذکر آیا ہے لیکن مختلف وجوہ سے راقم محسوس کرتا ہے کہ یہ کوشش بھی ناقص ہے۔ اس کے مقدمہ میں مرتب نے بڑے دعوے کیے ہیں مثلاً یہ کہ اس کام پر انھوں نے دس سال صرف کیے، انھوں نے علامہ کی ساری کتابوں کا جائزہ لے کر اسے مرتب کیا ہے، انھوں نے ہر تفسیر کے ماخذ کو درج کیا ہے، غلطیوں کی تصحیح کی ہے وغیرہ۔ مگر کتاب پڑھنے کے بعد یہ سارے دعوے کھوکھلے معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے اس کام پر کتنے سال صرف کیے اور ان سالوں میں کتنا وقت واقعی اس کام پر دیا اس کا علم تو انھیں کو ہوگا، مگر سوائے چند ایک اضافے جو علامہ کی کتابوں میں یکجا مل گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرتب ومحقق نے مجموع فتاویٰ کی پانچ جلدیں ۱۳ تا ۱۷ الگ سے شائع کردی ہیں، پہلی جلد میں حوالے بھی اکثر غائب ہیں۔ بظاہر کتاب نہایت صاف وخوبصورت انداز پر شائع ہوئی ہے مگر مطبع کی غلطیوں کے علاوہ کئی جگہوں پر سطروں بلکہ پوری فصل کی تکرار ہے۔ مرتب کی علمی دیانت یا بے خبری کا یہ حال ہے کہ اس سے پہلے ابن تیمیہؒ کی تفسیر سے متعلق جو یکجا مجموعے شائع ہوچکے تھے اس کا انھوں نے مقدمہ میں ذکر نہیں کیا۔ مولانا عبدالصمد شرف الدین کی تحقیق وترتیب سے شائع ہونے والی چھ سورتوں کی تفسیر کو دقائق التفسیر کے جامع نے مع ان کے ملاحظات کے شامل کرلیا ہے لیکن اندر حاشیہ میں معمولی تذکرہ کے سوا کہیں ذکر نہیں حالانکہ مقدمہ میں اس بات کو واضح طور سے شکریہ کے ساتھ لکھ دینا چاہئے تھا۔

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ اسے اور مکمل بنایا جاسکتا ہے ایک مثال پیش ہے' اس

مجموعہ میں کئی چھوٹی سورتوں کے ساتھ ساتھ سورۃ الفیل کی تفسیر بھی غائب ہے۔ حالانکہ علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب "الرای الصحیح لمن بدل دین المسیح" کے جزء چہارم میں دو صفحات پر مشتمل اس کی اچھی تفسیر موجود ہے[۳۲] جس کو اس مجموعہ میں شامل کیا جاسکتا تھا۔ توقع ہے کہ علامہ کی ساری کتابوں کا بغور جائزہ لینے سے "دقائق التفسیر" کی بہت سی کمیوں کو پورا کرکے "تکمیل الدقائق" ظہور میں آسکتی ہے۔

ماخذ وحواشی

سے۱ طوالت کے اندیشہ سے ہم ان راویوں کو یہاں ذکر نہیں کر رہے ہیں ان کے لیے درج ذیل مصادر کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے: ابن عبدالہادی، العقود الدریۃ بیروت دارالکتب العلمیہ بدون تاریخ صفحات ۱۲، ۲۴ وغیرہ

البزاز، عمر بن علی۔ الاعلام العلیۃ بیروت المکتب الاسلامی طبع ثانی ۱۳۹۶ھ صفحات ۲۲-۲۳

ابن ناصرالدین، الرد الوافر بیروت المکتب الاسلامی ۱۹۸۰ صفحات ۲۰۲ - ۲۰۴

سے۲ ابن عبدالہادی، العقود الدریۃ ص ۲۷ - ۲۸۔ متاخرین میں امام فراہی بھی اسی کے قائل نظر آتے ہیں کہ بجائے پورے قرآن کی تفسیر لکھنے کے ان سورتوں کی تفسیر پر اکتفا کیا جائے جن کا نظم و معنی سمجھنے میں قاری کو مشکل پیش آتی ہو چنانچہ انھوں نے بھی ایک طرف سے قرآن کی تفسیر لکھنے کے بجائے متفرق سورتوں کی تفسیر لکھی۔

سے۳ ابن عبدالہادی، العقود الدریۃ ص۲۷

سے۴ ابن بطوطہ نے ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے "البحرالمحیط" کے نام سے چالیس جلدوں میں قرآن کی مکمل تفسیر لکھی ہے جو محض وہم و گمان ہے جو ابن تیمیہؒ کو ابوحیان الاندلسی سے گڈمڈ کر دینے کی وجہ سے پیش آیا ہے اسی سے ملتی جلتی بات مشہور مستشرق بروکلمان نے بھی کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: برکۃ، ابراہیم خلیل۔ ابن تیمیہ وجہودہ فی التفسیر" بیروت المکتب الاسلامی ۱۹۸۴ صفحات ۸۲ - ۸۵

علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد ابن عبدالہادی نے اپنے استاد کی سوانح عمری میں تحریر کیا ہے کہ علامہ نے ان مفسرین سلف کے اقوال کو تیس سے زائد جلدوں میں جمع کیا جو اپنی کتابوں میں سندوں کے ذریعہ روایت کرتے ہیں (العقود الدریۃ ص۲۶) غالباً علامہ نے یہ اقوال اپنی یادداشت اور استفادہ کے لیے لکھے ہوں گے ورنہ ابن تیمیہؒ کے اپنے قول کے مطابق یہ چیز تحصیل حاصل ہوتی۔ غالباً اسی بنیاد پر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب میں ابن تیمیہؒ

کی تفسیری خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تیس جلدوں میں ان کی تفسیر لکھے جانے کا ذکر کیا ہے اور ان کی مکمل تفسیر کے ضائع و مفقود ہونے پر افسوس کیا ہے (تاریخ دعوت و عزیمت (جلد دوم) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، طبع چہارم، سنہ ۱۹۷۹ء، ص ۳۴۷ - ۳۴۸)

۵ ابن القیم، اسماء مولفات شیخ الاسلام ابن تیمیہ (تحقیق المنجد، صلاح الدین) بیروت، دار الکتاب الجدید طبع رابع ۱۹۸۳ء ص ۸-۱۸ ۶ شرف الدین عبد الصمد (مرتب) مجموعہ تفسیر شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، بھیونڈی، الدار القیمہ ۱۹۵۴ء سنہ ۵ ۷ البیطار، محمد بہجۃ۔ "حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ" بیروت، المکتب الاسلامی ۱۹۶۱ء ص ۱۲۷

۸ الحنبلی، عبد الرحمٰن بن محمد (مرتب) مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، الریاض، مطابع الریاض ۱۳۸۱ھ۔

۹ الجلیند، محمد السید (مرتب) دقائق التفسیر الجامع لتفسیر الامام ابن تیمیہ ۱۹۸۴ء چھ حصے چار جلدوں میں۔

۱۰ ابن تیمیہ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام، الریاض، مطابع الریاض ۱۳۸۱ جلد ۱۳ ص ۳۶۳ - ۳۷۵ ۱۱ ایضاً ص ۳۷

۱۲ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً صفحات ۳۷۰ - ۳۷۴ ۱۳ ایضاً ص ۳۷۱

۱۴ بعض علماء نے ان علوم کی فہرست تیار کرنے کی کوشش کی ہے جن سے واقف ہونا ایک مفسر کے لیے ضروری ہے اور جن کے بغیر تفسیر بالرای کے فتنہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے۔ وہ علوم ہیں لغت، نحو، صرف، اشتقاق، علم معانی، بیان، بدیع، علم قرات، اصول دین، اصول فقہ، اسباب نزول، قصص، ناسخ و منسوخ فقہ، احادیث، علم وحی۔ ملاحظہ ہو السیوطی، جلال الدین "الاتقان فی علوم القرآن" قاہرہ، مصطفیٰ حلبی و شرکائہ، حصہ دوم ص ۱۸۱

۱۵ ابن تیمیہ، مجموع فتاوی جلد ۱۳ ص ۳۷۵ ۱۶ ایضاً ص ۳۵۹ - ۳۶۰ ۱۷ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۲۵ - ۳۲۶

۱۸ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۸۵ - ۳۸۸ ۱۹ ابن تیمیہ "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" بدون مقام، مکتبۃ المجد التجاریہ بدون تاریخ الجزء الرابع ص ۶۲ - ۶۸ ۲۰ ایضاً ص ۷ ۲۱ ایضاً ص ۷۴ - ۷۵

۲۲ ایضاً ص ۸ ۲۳ اصلاحی، داؤد اکبر، قرآن مجید کا چیلنج، دائرۃ المصنفین، مبارک پور، سنہ ۱۹۷۲ء

۲۴ ابن تیمیہ، مجموع فتاوی جلد ۴ ص ۳۳۱ - ۳۳۶ ۲۵ فراہی، حمید الدین۔ الرای الصحیح فی من ہو الذبیح دار المصنفین، اعظم گڑھ سنہ ۱۳۳۸ھ ۲۶ ابن تیمیہ، مجموع فتاوی جلد ۱۳ ص ۳۱۴ - ۳۲۸ ۲۷ ابن القیم۔ التبیان فی اقسام القرآن، دار المعرفۃ، بیروت، بدون تاریخ ۲۸ فراہی، حمید الدین۔ الامعان فی اقسام القرآن۔ دار المصنفین، اعظم گڑھ سنہ ۱۳۴۹ھ ۲۹ ان مضامین کے لیے مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ کی چھ جلدیں ۱۲ تا ۱۷ ملاحظہ ہوں خاص طور سے ۱۳ ویں جلد ۳۰ ابن عبد الہادی۔ العقود الدریۃ ص ۲۶ ۳۱ برکۃ، ابراہیم خلیل۔ ابن تیمیہ وجہودہ فی التفسیر بیروت المکتبہ الاسلامی ۱۹۸۴ کل صفحات ۲۰۰ ۳۲ ابن تیمیہ۔ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔ الجزء الرابع ص ۱۲۲ - ۱۲۳